



ایک استاد عدالت کے کٹہرے میں

اس سبق کی تدريس کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- تراکیب لفظی کی شناخت کر سکیں اور اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے تحریر میں برجستہ استعمال کر سکیں۔
- درخواست، ریکی وغیرہ کی خطوط، دعوت نامے، تہنیت نامے کی تحریری یا برقی (ای میل) تکمیل کر سکیں۔
- عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجہ، انداز چلاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- مختلف ادبی شخصیات کی مرقع نگاری کر سکیں۔
- کسی بات، پیغام، کلام، نشریات، کہانی، مکالمے کو سن کر وہ راستے ہوئے کی پیشی کے ساتھ بیان کر سکیں۔
- مختلف نثری اصناف ادب (کہانی، داستان، افسانہ، ڈراما اور ناول) پڑھ کر ان کے ادبی اسلوب میں امتیاز کر سکیں۔
- مختلف ثقافتوں اور زبان کے اختلاط پر مبنی متن کو پڑھ سکیں اور زبان و لہجہ کے فرق کو سمجھ کر اس کے استعمال کی اہمیت سے آگاہ ہو سکیں۔

پڑھیں



علم کے بارے میں انسان ہمیشہ سرگرداں رہا ہے، اور آج کے دور میں حصول علم کے لیے بہت سی کوششیں صحیح، غلط، کمزور، چھیدہ، خمیدہ صورت اختیار کرتی جا رہی ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں، یہ جو ساری کوششیں ہیں، یہ انسان کے ایک بہتر مستقبل کی نوید کے لیے یقیناً ممد و معاون ثابت ہوں گی۔

علم حاصل کرنے کے لیے جب ہم بھائی اپنے گاؤں سے لاہور آئے، تو ہمارے ابا جی نے ایک گھر لے کر دیا، فلیمنگ روڈ وہاں اختر شیرانی رہتے تھے۔ میں تو چونکہ فرسٹ ایئر کا طالب علم تھا، اس لیے ان کے نام سے یا ان کے کام سے اتنا آشنا نہیں تھا، لیکن میرے بڑے بھائی ان کو جانتے تھے اور ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ بہر حال جہاں ہمارے ابا جی نے، اور بہت ساری مہربانیاں کی تھیں، وہاں یہ کہ ایک خانماں بھی دیا تھا جو ہمارا کھانا پکاتا تھا۔ اس کا نام عبدل تھا۔ عبدل کو زندگی میں دو بڑے شوق تھے، ایک تو انگریزی بولنے کا، انگریزی تعلیم حاصل کرنے کا جیسے آج کل بہت زیادہ انگریزی ہی کو علم سمجھا جاتا ہے، اور انگریزی کے حصول کے لیے ہی جان لڑائی جاتی ہے۔ عبدل کو بھی اس کا بہت بڑا شوق تھا۔ دوسرے اس کو اچھی کنونٹس کا بڑا چمکا تھا۔

یہ تو تھی بات جو برسیل تک پہنچ کر آگئی۔ میرا آج کو جو موضوع تھا وہ بتانا نہیں چاہتا تھا۔ پروفیسر صاحب یہاں آج تشریف فرما ہیں۔ جس زمانے میں روم میں لیکچرار تھا، روم یونیورسٹی میں، اور میں سب سے Youngest پروفیسر تھا۔ یونیورسٹیوں میں چھٹیاں تھیں، گرمیوں کا زمانہ تھا۔ دوپہر

کے وقت ریڈیو سٹیشن پر مجھے اردو براڈ کاسٹنگ کرنی پڑتی تھی۔ لوٹ کے آ رہا تھا تو خواتین و حضرات! روم میں دوپہر کے وقت سب لوگ قیلولہ کرتے تھے۔ چار بجے تک سوتے تھے، اور روم کی سڑکیں تقریباً خالی ہوتی تھیں، اور کارپوریشن نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ وہ وہاں پر پانی کے حوض لگا کر سڑکیں دھوتے ہیں، اور شام تک سڑکیں ٹھنڈی بھی ہو جاتی ہیں، خوشگوار بھی ہو جاتی ہیں، صاف بھی ہو جاتی ہیں۔ تو وہ سڑکوں کو دھو رہے تھے۔ اکاد کا کوئی ٹریفک کی سواری آ جا رہی تھی۔ تو میں اپنی گاڑی چلاتا ہوا جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ گول دائرہ ہے اس کے اوپر سے میں چکر کاٹ کے آؤں گا۔ پھر میں اپنے گھر کی طرف مزدوں گا تو یہ بڑی بے ہودہ بات ہے۔ سچ میں چلتے ہیں۔ اس وقت کون دیکھتا ہے، دوپہر کا وقت ہے۔ تو میں سچ میں گزر رہا ہوں ایک سپاہی کھڑا تھا، اس نے مجھے دیکھا، اور اس نے پروا نہیں کی۔ جانے دیا کہ یہ جا رہا ہے، یہ نوجوان تو کوئی بات نہیں۔ جب میں نے دیکھا شیشے میں سے گردن گھما کے کچھ مجھے تھوڑا سا یاد پڑتا ہے۔ میں طنزاً مسکرایا۔ کچھ اپنی فیٹ (Fate) کے اوپر کچھ اپنی کامیابی کے اوپر۔ میں نے خوشی منانے کے لیے ایک مسکراہٹ کا پھول اس کی طرف پھینکا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ اس نے میری یہ عزت کی ہے تو اس نے سیٹی بجاکے روک لیا۔ اب وہاں پر سیٹی بجنا موت کے برابر تھی اور رکنا بھی، میں رکا، وہ آگیا، اور آکے کھڑا ہو گیا۔ پہلے سیلوٹ کیا، ولایت میں رواج ہے کہ جب بھی آپ کا چالان کرتے ہیں۔ آپ کو پکڑنا ہوتا ہے تو سب سے پہلے سیلوٹ مارتے ہیں۔ تو اس نے کھڑے ہو کر سیلوٹ مارا۔ اب میں اندر تھر تھر کانپ رہا ہوں۔ شیشے میں نے نیچے کیا تو مجھے کہنے لگا کہ آپ کلائسنس۔ تو میں نے کہا، فرض کریں جس کے پاس اس کلائسنس نہ ہو تو پھر وہ کیا کرے۔ اس نے کہا کوئی بات نہیں۔ میں آپ کا چالان کر دیتا ہوں۔ پر جی پھاڑ کے تو یہ آپ لے جائیں اور جرمانہ جمع کرادیں۔ میں تو ایسے ہی مانگ رہا تھا۔ میں نے کہا، مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا غلطی ہو گئی تھی تو چلے جاتے۔ اس نے بغیر مجھ سے پوچھے کاپی نکالی اور چالان کر دیا، اور چالان بھی بڑا سخت، بارہ آنے جرمانہ۔ میں نے پر جی لے کر کہا: میں اس کو لے کر کیا کروں؟ اس نے کہا: اپنے کسی بھی قریبی ڈاکھانے میں منی آرڈر کی کھڑکی پر جمع کرادیں، بس وہاں پچھری نہیں جانا پڑتا، دھکے نہیں کھانے پڑتے۔ بس آپ کا جرمانہ ہو گیا، آپ ڈاکھانے میں دیں گے تو بس۔

میں جب چالان کروا کے گھر آ گیا تو میں نے اپنی لینڈ لیڈی سے کہا، میرا چالان ہو گیا ہے۔ کہنے لگی، آپ کا۔ میں نے کہا، میں کیا کروں۔ اب ان کو ایسے لگا کہ ہمارے گھر میں جیسے ایک بڑا جرم رہتا ہے۔ اور اس نے اپنی بیٹی کو بتایا کہ پروفیسر کا چالان ہو گیا ہے۔ بڑھی مائی تھی۔ ان کی ایک ساس تھی اس کو بھی بتایا، سارے روتے ہوئے میرے پاس آ گئے۔ میں بڑا ڈرا کہ یا اللہ یہ کیا۔ کہنے لگے تو شریف آدمی لگتا تھا۔ اچھے خاندان کا اچھے گھر کا لگتا تھا۔ ہم نے تجھے یہ کرائے پر کرا بھی دیا ہوا ہے لیکن تو ایسا نہیں نکلا خیر گھر خالی کرنے کو تو نہیں کہا۔ جو بڑھی مائی تھی، ان کی ساس، اس نے کہا۔ ہو تو گیا ہے برخوردار چالان لیکن کسی سے ذکر نہ کرنا۔ محلے داری کا معاملہ ہے۔ اگر ان کو پتا چل گیا کہ اس کا چالان ہو گیا ہے تو بڑی رسوائی ہوگی۔ لوگوں کو پتا چلے گا۔ میں نے کہا، نہیں میں پتا نہیں لگنے دوں گا۔ میری لایا بلی طبیعت، 26 سال کی عمر تھی۔ چالان جیب میں ڈالا اور نکل گیا دوستوں سے ملنے، اگلے دن مجھے جمع کروانا تھا، بھول گیا۔ پھر سارا دن گزر گیا۔ اس سے اگلے دن مجھے اصولاً جمع کروا دینا چاہیے تھا تو میں نے کپڑے بدلے تو اس پرانے کوٹ میں رہ گیا۔

شام کے وقت مجھے ایک تار ملا کہ محترمی جناب پروفیسر صاحب فلاں فلاں مقام پر فلاں چوراہے پر آپ کا چالان کر دیا گیا تھا، فلاں سپاہی نے۔ یہ نمبر ہے آپ کے چالان کا۔ آپ نے ابھی تک کہیں بھی چالان کے پیسے جمع نہیں کروائے یہ بڑی حکم عدد دی ہے۔ مہربانی فرما کر اسے جمع کروا دیں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ تقریباً 21 روپے کا تار تھا۔ میں نے سارے لفظ گئے۔ مجھ سے یہ کوتاہی ہوئی کہ میں پھر بھول گیا، اور ان کا پھر ایک تار آیا۔ اگر آپ اب بھی جمع نہیں کروائیں گے تو پھر ہمیں افسوس ہے کہ کورٹ میں پیش کر دینا پڑے گا۔ مجھ سے کوتاہی ہوئی، نہیں جاسکا۔ تب مجھے کورٹ

سے ایک سمن آگیا کہ فلاں تاریخ کو عدالت میں پیش ہو جائیں، اور یہ جو آپ نے حکم عدولی کی ہے قانون توڑا ہے، اس کے بارے میں آپ سے پورا انصاف کیا جائے گا۔ اب میں ڈرا، میری سٹی گم ہوئی۔ پریشان ہوا کہ اب میں دیا غیر میں ہوں۔ کوئی میرا حامی و ناصر مددگار نہیں ہے۔ میں کس کو اپنا دالی بناؤں گا۔ میرا ڈاکٹر تھا۔ ڈاکٹر بالدی اس کا نام تھا، نوجوان تھا۔ میں نے اس سے کہا، مجھے وکیل کرو۔ اس نے کہا، میرا ایک دوست ہے، اس کے پاس چلتے ہیں۔ اس کے پاس گئے۔ اس نے کہا، یہ تھوڑا سا پیچیدہ ہو جائے گا۔ اگر میں گیا عدالت میں۔ بہتر یہی ہے پروفیسر صاحب جائیں، اور جا کر خود Face کریں عدالت کی خدمت میں یہ عرض کریں کہ میں چونکہ اس قانون کو ٹھیک طرح سے نہیں جانتا تھا۔ میں یہاں پر ایک غیر ملکی ہوں تو مجھے معافی دی جائے۔ میں ایسا آئندہ نہیں کروں گا۔

میں نے کہا ٹھیک ہے۔ چنانچہ میں ڈرتا چلا گیا۔ اگر آپ کو روم جانے کا اتفاق ہو تو ”پیلز آف دی جسٹس“ Palace of Justice وہ رومن زمانے کا بہت بڑا وسیع و عریض ہے، اسے تلاش کرتے کرتے ہم اپنے جج صاحب کے کمرے میں پہنچے تو وہ وہاں تشریف فرما تھے۔ مجھے ترتیب کے ساتھ بلایا گیا تو میں چلا گیا۔ اب بالکل میرے بدن میں روح نہیں ہے، اور میں خوفزدہ ہوں، اور کانپنے کی بھی مجھ میں جرأت نہیں۔ اس لیے کہ تشنگ جیسی کیفیت ہو گئی تھی، انھوں نے حکم دیا، آپ کھڑے ہوں اس کٹہرے کے اندر۔ اب عدالت نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کا چالان ہوا تھا اور آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپ یہ بارہ آنے ڈاک خانے میں جمع کروائیں، کیوں نہیں کروائے؟ میں نے کہا، جی مجھ سے کوتاہی ہوئی، مجھے کروانے چاہئیں تھے، لیکن میں۔۔۔ اس نے کہا، کتنا وقت عملے کا ضائع ہوا۔ کتنا پولیس کا ہوا، اب کتنا ”جسٹیک“ کا، ہوا (جسٹس عدالت کا ہو رہا ہے) اور آپ کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے تھا۔ ہم اس کے بارے میں آپ کو کڑی سزا دیں گے۔ میں نے کہا، میں یہاں پر ایک فارنر ہوں۔ پردیسی ہوں۔ جیسا ہمارا بہانہ ہوتا ہے، میں کچھ زیادہ آداب نہیں سمجھتا۔ قانون سے میں واقف نہیں ہوں تو میرے پر مہربانی فرمائیں۔ انھوں نے کہا، آپ زبان تو ٹھیک ٹھاک بولتے ہیں۔ وضاحت کر رہے ہیں۔ آپ کیا کرتے ہیں تو میں چپ کر کے کھڑا رہا۔ پھر انھوں نے پوچھا کہ عدالت آپ سے پوچھتی ہے کہ آپ کون ہیں اور آپ کا پیشہ کیا ہے؟ میں نے کہا، میں ایک ٹیچر ہوں۔ پروفیسر ہوں۔ روم یونیورسٹی میں۔ تو وہ جج صاحب کرسی کو سائیڈ پر کر کے کھڑا ہو گیا اور اس نے اعلان کیا:۔

Teacher in the Court, teacher in the Court جیسے اعلان کیا جاتا ہے، اور وہ سارے اٹھ کھڑے ہو گئے۔ منشی، تھانیدار، عمل دار جتنے بھی تھے، اور اس نے حکم دیا کہ Chair should be brought for the teacher. A teacher has come to the court.

اب وہ کٹہرا اچھوٹا سا، میں اس کو پکڑ کر کھڑا ہوں۔ وہ کرسی لے آئے۔ حکم ہوا کہ تو Teacher ہے، کھڑا نہیں رہ سکتا۔ جج نے کہا کہ اے معزز استاد! اے دنیا کو علم عطا کرنے والے استاد! اے محترم ترین انسان!! آپ نے ہی ہم کو عدالت، اور عدل کا حکم دیا ہے، اور آپ ہی نے ہم کو یہ علم پڑھایا ہے اور آپ ہی کی بدولت ہم اس جگہ پر براجمان ہیں۔ اس لیے ہم آپ کے فرمان کے مطابق مجبور ہیں۔ عدالت نے جو ضابطہ قائم کیا ہے، اس کے تحت آپ کو چیک کریں، باوجود اس کے کہ ہمیں اس بات کی شرمندگی ہے اور ہم بے حد افسردہ ہیں کہ ہم ایک استاد کو جس سے محترم، اور کوئی نہیں ہوتا، اپنی عدالت میں ٹرائل کر رہے ہیں اور یہ کسی بھی جج کے لیے انتہائی تکلیف دہ موقع ہے کہ کورٹ میں کٹہرے میں ایک استاد مکرّم ہو اور اس کا Trial کیا جائے۔ اب میں شرمندہ لبّی جگہ پر، یا اللہ!! یہ کیا شروع ہو رہا ہے؟ میں نے کہا: حضور! جو بھی آپ کا قانون ہے، جیسے کیسے بھی آپ کا ضابطہ ہے، اس کے مطابق کریں، میں حاضر ہوں۔ تو انھوں نے کہا: ہم نہایت شرمندگی کے ساتھ، اور نہایت دکھ کے ساتھ اور گہرے آلم کے ساتھ آپ کو ڈبل جرمانہ کرتے ہیں۔ ڈیڑھ روپیہ ہو گیا۔ جب میں کرسی سے اٹھ کے کٹہرے میں سے نکل کر شرمندہ، باہر نکلنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ وہ جو جج، اس کا عملہ تھا، اس کے منشی

تھے، وہ سارے جناب میرے پیچھے پیچھے (A teacher in the court) جا رہے تھے کہ ہم احترام فائقہ کے ساتھ آپ کو رخصت کرتے ہیں۔ میں کہوں، میری جان چھوڑیں۔ یہ باہر نکل کر میرے ساتھ کیا کریں گے۔ آگے تک میری موٹر تک مجھے چھوڑ کے آئے۔ جب تک میں وہاں سے سٹارٹ نہیں ہو گیا، وہ عملہ وہاں پر ایسے ہی کھڑا تھا۔ اب میں لوٹ کے آیا تو میں سمجھا یا اللہ! میں بڑا معزز آدمی ہوں، اور محلے والوں کو بھی آکر بتایا کہ میں ایسے گیا تھا، اور وہاں یہ یہ ہوا۔ وہ بھی جناب، اور میری جو لینڈ لیڈی تھی، وہ بھی بڑی خوشی کے ساتھ محلے میں چوڑی ہو کے گھوم رہی تھی کہ دیکھو ہمارا یہ ٹیچر گیا، اور کورٹ نے اتنی عزت کی۔ اس کی عزت افزائی ہوئی تو میں یہ سمجھا کہ اس کے ساتھ ساتھ میری تنخواہ میں بھی اضافہ ہو گا، ایسی آدمی جو ہے نا وہ چاہے ٹیچر بھی ہو وہ گریڈ کا ضرور سوچے گا۔ کتنی بھی آپ عزت دے دیں، کتنا بھی احترام دے دیں، وہ پھر بھی ضرور سوچے گا کہ مجھے کہیں سے چار پیسے بھی ملیں گے کہ نہیں، میں نے اپنے ریکٹر سے پوچھا، تو اس نے کہا، نہیں تنخواہ یہاں پر وفسر کی اتنی ہی ہے جتنی تمہارے پاکستان میں ہے۔ وہ کوئی مالی طور پر اتنے بڑے نہیں ہیں، لیکن عزت کے اعتبار سے بہت بڑے ہیں۔ رتبہ ان کا بہت زیادہ ہے، اور کوئی شخص یہاں کوئی بیوروکریٹ ہو، یہاں کوئی جج ہو۔ آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔ یہاں کا نا جبر ہو، یہاں کا فیوڈل لارڈ ہو، وہ استاد کے رتبے کے پیچھے اسی طرح چلتا ہے، جیسے روم کے دنوں میں غلام اپنے آقا کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ یہی ان کا کمال ہے کہ مالی طور پر کمتر ہیں لیکن رتبے کے اعتبار سے بہت اونچے ہیں جیسے سقراط جو تھا، وہ اپنے کھنڈروں میں، اور فورم میں کھڑا ہو کے ننگے پاؤں بات کرتا تھا، لیکن اس کا احترام تھا۔ وہ کوئی امیر آدمی نہیں تھا، میرا باس کہا کرتا تھا: You have changed your profession for handful silver

کا احترام تھا۔ وہ کوئی امیر آدمی نہیں تھا، میرا باس کہا کرتا تھا: You have changed your profession for handful silver

(زاویہ)

اشفاق احمد (۱۹۲۵ء-۲۰۰۳ء)

اشفاق احمد کا اصلی نام اشفاق احمد خان تھا۔ آپ ۲۲ اگست ۱۹۲۵ء کو ضلع فیروز پور کی تحصیل کٹی سر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد خان حیوانات کے معالج تھے اور بسلسلہ ملازمت ضلع ہوشیار پور کے قصبے خان پور سے ہجرت کر کے کٹی سر میں آباد ہو گئے تھے۔ اشفاق احمد نے تعلیم یافتہ اور پُر آسائش گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ایف۔ اے تک فیروز پور سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے اور ایم۔ اے کے امتحانات پاس کیے۔ اشفاق احمد بحیثیت پروفیسر دیال سنگھ کالج لاہور، روم یونیورسٹی اٹلی اور پنجاب یونیورسٹی لاہور میں خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۶۷ء میں انھوں نے بحیثیت ڈائریکٹر مرکزی اردو بورڈ میں منصبی فرائض سنبھال لیے اور ادارے کو ترقی دے کر باہم عروج تک پہنچایا۔

اشفاق احمد بیسویں صدی کے ادبی افق پر افسانہ نگار، ڈرامہ نویس، سفر نامہ نگار، نقاد، فیچر نگار، مترجم، محقق، شاعر، فلسفی اور دانشور کی حیثیت سے ابھرتے اور بیشتر معیشتوں میں شہرت اور کامیابی کی بلندیوں کو چھوتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر قصہ گو ادیب اور کہانی نویس تھے۔ ان کی مختلف النوع تخلیقی جہات میں کہانی کی مختلف اشکال ظہور کرتی ہیں۔ ان کی قصہ گوئی اور جاؤ و بیانی کا مظہر ان کا مقبول ٹیلی ویژن پروگرام ”زاویہ“ تھا جس میں ان کی بسیرت افروز گفتگو نوجوانوں کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیتی۔ انھوں نے پچاس کے قریب کتابیں تصنیف کیں جو ان کے سہل، رواں اور بے تکلف انداز بیان کی عکاس ہیں۔ ان کا لہجہ دھیمادار و محاساس سے بھرپور ہے۔ اشفاق احمد کے دل میں عوام الناس کو سنوارنے کا جذبہ موجزن تھا جو ”زاویہ“ میں بھی جھلکتا دکھائی دیتا ہے ان کے ریڈیائی فیچر ”تلقین شاہ“ کی شہرت پاکستان کی جغرافیائی حدود سے نکل کر یورپ اور امریکا تک پھیل گئی۔ انھیں حکومت پاکستان کی جانب سے مارچ ۲۰۰۳ء میں قومی اعزاز ”ستارہ امتیاز“ اور ۲۰۰۶ء میں ”ہلال امتیاز“ سے نوازا گیا۔

معروف تصانیف: ایک محبت سوا فسانے۔ سفر مینا۔ توتا کہانی۔ سن چلے کا سودا۔ حیرت کدہ۔ ننگے پاؤں۔ تلقین شاہ زاویہ



۱۔ اشفاق احمد کے معروف ریڈیائی فچر پروگرام ”تلقین شاہ“ کا کوئی سے پروگرام سنیں اور اس میں موجود پیغام، کہانی، مکالموں کو سن کر انھیں دہراتے ہوئے کی پیشی کے ساتھ اپنے ساتھی طلبہ کے سامنے بیان کریں۔

۲۔ ”ایک استاد عدالت کے کنہرے میں“ ایک ایسا متن ہے جس میں اشفاق احمد نے یورپ کے ایک ملک اٹلی کی تہذیب و ثقافت اور روایات کو اردو انگریزی زبانوں کے اختلاط سے خوب صورت انداز میں تحریر کیا ہے اور وہاں کی ثقافت اور روایات کے حوالے سے استاد کے احترام کو اجاگر کیا ہے۔ اس سے نہ صرف ہم انگریزی، اردو زبانوں کے اختلاط پر مبنی اس تحریر کو پڑھ کر ایک نئے لب و لہجے سے روشناس ہوتے ہیں بلکہ اس کے استعمال کی اہمیت سے بھی آگاہ ہو جاتے ہیں۔ انگریزی، اردو کے اختلاط پر مبنی اس تحریر کو پڑھتے ہوئے طلبہ اپنی تہذیب و ثقافت اور روم کے حوالے سے، استاد کے احترام کا موازنہ کریں اور اپنی رائے دیں۔

۳۔ درج ذیل عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجہ، اتار چڑھاؤ اور تاثر برقرار رکھتے ہوئے پڑھیں۔

”علالت کے دوران میرا دل زیادہ نرم ہو جاتا ہے۔ بخار کی حالت میں کوئی ناول پڑھتے وقت بھی بعض اوقات میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ صحت یاب ہو کر مجھے اپنی کمزوری پر ہنسی آتی ہے۔ بد قسمتی کہ انھی دنوں مجھے خفیف سا انفلوئنزا ہوا۔ مہلک نہ تھا، بہت تکلیف دہ بھی نہ تھا، تاہم گزشتہ زندگی کے تمام چھوٹے چھوٹے گناہ، گناہ کبیرہ بن کر نظر آنے لگے۔ شام کے وقت میبل کچھ پھول لے کر آئی۔ خیریت پوچھی، دوپلائی میرے آنسو پٹپٹ کرنے لگے۔ میں نے کہا ”میبل! مجھے خدا کے لیے معاف کر دو۔ پچھلے ہفتے جو تین کتابیں تم مجھے دے گئی تھیں۔ ان سے متعلق میں تم سے کتنی بحث کرتا رہا ہوں لیکن میں نے ان کا ایک لفظ بھی نہیں پڑھا۔“ میں نے کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور کہی ہوگی جس سے میرا پول تم پر کھل گیا ہوگا، کہنے لگی ”نہیں تو“۔۔۔۔۔ اس کے بعد میری گزشتہ فریب کاری پر وہ اور میں ہنستے رہے۔ میبل رخصت ہونے لگی تو بولی ”تو وہ کتابیں میں لیتی جاؤں؟“ میں نے کہا ”ایک تائب انسان کو اپنی اصلاح کا موقع تو دو۔ میں نے ان کتابوں کو اب تک نہیں پڑھا لیکن اب میں انھیں پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے ان کتابوں کو پہلی دفعہ کھولا۔ تینوں میں سے ایک کے ورق نہ کٹے تھے۔ میبل نے بھی انھیں ابھی تک نہ پڑھا تھا۔ مجھے مرد اور عورت دونوں کی برابری میں کوئی شک باقی نہ رہا۔“

۴۔ درج ذیل تراکیب لفظی کو استعمال کرتے ہوئے جملے تحریر کریں۔

فریب کاری، تائب انسان، پول کھلنا، گناہ کبیرہ، فلاں فلاں

۵۔ اس سبق کے اہم نکات کا خلاصہ تحریر کریں۔

۶۔ حاصلات تعلیم کی بنیاد پر بننے والے ماڈل پرچہ جات میں درپیش مشکلات کی وضاحت کے حوالے سے، وفاقی تعلیمی بورڈ اسلام آباد کے ڈائریکٹر ریسرچ؛ جناب مرزا علی کے نام ایک درخواست لکھیں اور انھیں director-aq@fbise.edu.pk کے ایڈریس پر ای میل کریں۔

❖ موقع نگاری، افسانہ، ڈراما اور ناول کے متعلق گزشتہ اسباق میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ ”داستان“ اصنافِ نثر کی وہ طویل صنف ہے جس میں مافوق الفطرت عناصر اور دوسرے لوازمات کی مدد سے قصہ در قصہ یا داستان در داستان کہانی بیان کی جاتی ہے فی زمانہ داستان گوئی کی روایت تقریباً

ناپیدا ہو چکی ہے۔ ”کہانی“ سننے اور سنانے کا رواج قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ ہم میں سے اکثر نے بچپن کے دنوں اپنے گھر کے بوڑھے، بوڑھیوں سے کوئی نہ کوئی ضرور سنی ہوگی۔ بعض کہانیاں دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ سبق آموز بھی ہوتی ہیں۔ کہانی لکھنے کے لیے عموماً کوئی واقعہ ہوتا ہے۔ کہانی کا کوئی نہ کوئی اور اخلاقی نتیجہ ہوتا ہے۔

۷۔ درسی کتاب میں شامل نیا قانون (افسانہ)، دہلیز (ڈراما)، اور پاکستان بن گیا (ناول)، ایک استاد عدالت کے کٹہرے میں (آپ بیتی) کو توجہ سے پڑھتے ہوئے ان کے ادبی اسلوب میں امتیاز کرنے کی مشق کریں۔

۸۔ اپنے قریبی دوست کا شخصی مرقع تحریر کریں جس میں اس کی پسند ناپسند، روزمرہ کے معمولات، عادات اور اطوار وغیرہ کا ہلکے پھلکے انداز میں تذکرہ ہو۔



۱۔ لاہوری سے بانو قدسیہ کا لکھا ہوا کوئی ایک ناول جاری کروائیں اور اسے پڑھتے ہوئے ان کے اسلوب اور اشفاق احمد کے اسلوب میں امتیاز کرنے کی مشق کریں، جہاں مشکل پیش آئے اپنے استاد محترم سے رہنمائی حاصل کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

طلبہ کو مختلف اصناف نثر (کہانی، داستان، افسانہ، ڈراما، ناول) کا تعارف کراتے ہوئے ان کے ادبی اسلوب میں امتیاز کرنے کی تکنیک سے آگاہ کریں تاکہ وہ شامل نصاب افسانوں ”نیا قانون“ اور مہاراج کا کفن پڑھ کر ان کے ادبی اسلوب میں عملی طور پر امتیاز کرنے کی مشق کر سکیں۔

